لیبیا میں شریعتِ اسلامیہ کی ہشت روزہ کانفرنس

(از جناب حبیب ریحان ندوی، لکچرر اسلامک انسٹی ٹیوٹ، بیضاء (لیبیا)

(۲)

۱۰۔ انشورنس کے سلسلہ میں فقہ اسلامی کا حکم | یہ کانفرنس کا دسواں موضوع تھا اور یہ بھی ۹ مئی کی شام ہی کا موضوع تھا لیکن ۱۰ مئی کی صبح شروع ہوا۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کسی جزوی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ ایک کُلّی نظام ہے اور اسے پُورا کا پُورا اپنانا چاہیے۔ مغربی تہذیب اور یہودی سوداگروں اور سُود خواروں کے تفصیلی نظام جو عالمِ اسلامی میں رائج ہیں ان میں علماء سے فتوے پوچھے جاتے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ ان کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ اسلام کا اپنا بذاتِ خود ایک تعاونی نظام ہے، ایک اقتصادی نظریہ ہے، ایک تجارتی اصول ہے، ایک تکافُلی پروگرام ہے، یعنی اسلام ایک مکمل لائحہ عمل ہے۔ اخلاص کے ساتھ اگر اسلامی نظام کو اپنا لیا جائے اور پھر اسلامی نظام انشورنس یا نظام بنک کاری بنایا جائے تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ لیکن اسلامی ملکوں میں غیر اسلامی نظام و قانون پر رضامندی اور پھر مغربی یہودی نظام ـــ سرمایہ داری ـــ اور مشرقی یہودی نظام ـــ مارکسیت ـــ پر اس قدر اخلاص کے ساتھ آخر اصرار کیوں ہے؟ اور یہ مغربی و مشرقی ناسُور اسلامی ملکوں کے جسم وجان کو آخر کیوں اور کب تک گھائل بنائے رہیں گے؟ بہر حال اسلامی نظام میں یُوں بھی بیت المال سارے غریبوں، مصیبت زدوں، بیواؤں، بے نواؤں، فقیروں، مسکینوں، طالب علموں، مسافروں، اور تمام محروم افراد کی دائمی یا ہنگامی مصیبتیں دُور کرنے کا ذمّہ دار ہے، اسی ذمّہ داری کو عصرِ حاضر میں تفصیل کے ساتھ آگے بڑھا کر منظم تعاونی نظام بنایا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر صرف ڈاکٹر محمد السید الدسوقی نائب رئیس تحریر، مجمع اللغۃ العربیہ قاہرہ نے اپنا تفصیلی مقالہ پڑھا۔ آپ نے تاریخی طور پر ثابت کیا کہ یورپ میں پہلے تعاونی انشورنس تھا۔ بعد میں سود خواروں نے تجارتی انشورنس بنایا۔ ہر صورت میں یہ عقدِ غَرَر والا معاملہ تو ہے ہی، ساتھ ہی ساتھ

سُود کا شُبہ نہیں بلکہ یقین بھی اس میں ہے اور جُوئے کی شکل بھی ہے۔ کسی ایسے اسلامی ملک میں جہاں اسلامی انشورنس کو قائم کرنے کی بات چیت نہ ہو مجبوراً اس کی بعض اقسام، حوادث وغیرہ کے خلاف کی صرف مؤقت اجازت ۔ بحکم ضرورت و حاجت ۔۔۔ دی جا سکتی ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس کو جائز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے بدلے انشورنس کا مکمل اسلامی نظام بنانا ضروری ہے جو اسلامی تعاون کے اصولوں پر گامزن ہو۔ دوسرے دن مباحثہ بھی اس پر طویل ہوا۔

۱۱۔ شریعت اسلامیہ میں سُود کے احکام نیز لیبین مدنی، تجارتی اور بحری قوانین میں اکی تطبیق

کانفرنس کا گیارھواں موضوع سُود تھا۔ یہ جس قدر اہم ہے اسی قدر صاف ہے اور نصوص قرآنیہ و نبویہ سے بالکل واضح بھی ہے لیکن جب عقل پر ریسرچ کے پردے پڑ جائیں اور حلال چیزوں کے بجائے حرام کام مرغوب ہو جائیں تو فتنۂ نفسِ بشر شیطان کی قوتوں اور تفکیری صلاحیتوں سے پُوری طرح مدد حاصل کرتا ہے اور الفاظ کے عجیب و غریب بھیر میں پڑ کر سیدھے سادھے اور عام معانی کو بدلنے اور غلط تاویلات کرنے پر اُبھارتا ہے۔ اور یہ سب مغرب کی تقلید اور یہودی نظامِ سُود کے زیرِ اثر ہے۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی نکالا جاتا ہے کہ بہت زیادہ سُود لینا منع ہے، لیکن تھوڑا سُود لینا منع نہیں ہے، اور قرض کے سُود اور تجارتی سُود میں تفریق کا شاخسانہ بھی اس بحث میں چھیڑا جاتا ہے۔ یہ سب وہ انحرافات اور لاطائل بحثیں ہیں جنہیں نہ عقلِ سلیم قبول کرتی ہے نہ علم صحیح اور ایمان مستقیم۔ سُود کے جو اظہر من الشمس نقصانات ہیں اور جس طرح اس کے ذریعہ قوم کا سرمایہ چند سُود خوار اداروں کے پاس چلا جاتا ہے اس کا اندازہ افراد کے سُود میں تو صدیوں سے ہوتا چلا آرہا تھا، اب جدید دَور میں غیر ترقی یافتہ ملک جب سُودی قرض لیتے ہیں اور ان کی ادائیگی کی صورت میں جن مالی اور اقتصادی پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں یہ واضح دلیل ہے کہ سُود نقصان دہ ہے۔ اور پھر سُود کا یہ بین الاقوامی کاروبار خالص یہود کا بنایا ہوا ہے جس سے افراد و اقوام کی خستہ حالی اور دیوالیہ پن مقصود ہے۔ اور بزعم یہود یہ ان کی کتاب مقدس کی پیشین گوئی کی صداقت بھی ہے اور قوموں کو سودی کاروبار کے ذریعہ غلام بنانے کی یہ چال گویا نعوذ باللہ خدا نے ان کو سکھائی ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں "اور تو بہت سی قوموں کو قرض دیگا پر تجھ کو ان سے قرض لینا نہ پڑے گا" (استثنا ۶:۱۵)۔ ان الفاظ میں گو سُود کا لفظ نہیں ہے لیکن دوسری جگہ یوں ہے "تو اپنے بھائی کو سُود پر قرض نہ دینا۔۔ تو پردیسی کو سُود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سُود پر قرض نہ دینا" (استثناء ۲۳: ۱۹، ۲۰)۔

اس طرح کے دوسرے الفاظ بھی ہیں جن کی تشریح بعض تلمود کے حاخامات نے یہ کی ہے کہ ان الفاظ میں حضرت موسیٰ نے سُود لینے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ یہ حکم ہے کہ اجنبی (غیر یہودی) کو قرض سُود ہی پر دیا جائے تاکہ وہ برباد ہو۔ اور اس لیے شریعت تلمود میں اجنبی کو بغیر سُود کے قرض دینا ناجائز اور حرام ہے۔ اس سلسلہ میں حاخام شوآب کا قول یہ ہے ــــ اس نے بعد میں یہودی دین ترک کر دیا تھا ــــ کہ اگر مسیحی کو کچھ پیسے کی ضرورت ہو تو یہودی کو چاہیے کہ اس کے ساتھ بار بار سُود کا معاملہ کرے، حتیٰ کہ وہ اس کو ادا نہ کر سکے۔ اور اسی وجہ سے قدیم مسیحی افکار اور ڈکشنریوں اور ادب میں یہود سے مراد سُود خوار اور خیانت کار لیا جاتا ہے۔ بہر حال سُود ایک ایسی لعنت ہے جسے اسلامی معاشرہ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے، اور کم از کم فوری طور پر ملک میں داخلی سُود کو ختم کیا جائے۔ پھر اسلامی ملکوں کے اتحاد اور بین الاقوامی مسلم بنک کے پروان چڑھنے کے بعد خارجی سُود بھی بند کیا جا سکتا ہے۔

اِس اہم موضوع پر تاریخ و حقائق کی روشنی میں شیخ وقت محمد ابو زہرہ نے تفصیلی بحث کی۔ خصوصاً آیۃ الربا میں کئی بلاغی اور ادبی طریقوں سے سُود کی قطعی حرمت پر توجیہات پیش کیں۔ آپ نے فرمایا سُود میں اضطراب، پریشانی، فکری ناآسودگی اور ذہنی و عقلی خلجان ہوتا ہے جس کی تعبیر مَسّ شیطانی سے کی گئی ہے۔ سُود خور ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ سُود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ حالانکہ سُود حرام ہے اور تجارت حلال ہے۔ جو موعظت و ممانعت کے بعد سُود سے باز نہ آئے اسے عذابِ نار کی وعید ہے۔ سُود کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے اور وہ مٹ جاتا ہے۔ سُود خوروں کو کفر کے صیغۂ مبالغہ کَفَّار اور اَثیم سے خطاب کیا گیا ہے۔ پھر ایمان و عملِ صالح کا تذکرہ آیت میں یہ ثابت کرتا ہے کہ سُود ایمان کے منافی ہے اور عملِ غیر صالح ہے۔ نماز و زکوٰۃ کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح یہ دین میں معلوم بالضرورۃ اور سب سے افضل فرائض ہیں، اسی طرح سُود بھی معلوم بالضرورۃ اور قبیح ترین فعل ہے۔ اور جس طرح اطاعت گذاروں کو خوف اور غم سے واسطہ نہ ہوگا، اس کے برخلاف سُود خور دنیا و آخرت میں خوف اور غم کا شکار رہے گا۔ تقویٰ کی علامت یہ بتائی گئی کہ سُود خوری چھوڑ دے اور جو سُود نہ چھوڑے وہ خدا اور رسُول سے لڑائی مول لیتا ہے۔ قدیم سُود کے لیے توبہ کی شرط یہی ہے کہ سُود نہ لیا جائے اور صرف رأس المال واپس لیا جائے۔ شیخنا ابو زہرہ نے آیت میں ۲۰ طریقوں سے سُود کی حرمت پر تبصرہ کیا تھا، یہ مضمون لکھتے وقت راقم کو کم از کم ۱۲ توجیہات سرعت کے ساتھ نظر آئیں

آیت پر مزید غور و خوض سے اور بھی نکتے برآمد ہو سکتے ہیں، بارھویں اور آخری چیز یہ ہے کہ جس طرح رأس المال واپس نہ کرنا ظلم ہے اسی طرح سُود لینا بھی ظلم ہے)۔ شیخ ابوزہرہ دوسرے موضوع فقہ اسلامی میں بینک کاری کے طریقے پر بھی دوسرے دن بولنے والے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس موضوع پر بھی آج ہی گفتگو ختم کر دیتا ہوں۔ پھر بینک کاری کے نظام کی مفصل تاریخ اور اس میں سُود کی آمیزش پر بحث کی اور اسلامی بینک کے قیام پر زور دیا اور اس کے اصولوں کی تشریح کی اور نظامِ مضاربت پر زور دیا، اور مصر میں غیر سُودی پہلا بینک کھلنے کا مژدہ سنایا۔ اور پھر سُود اور بینک دونوں موضوعات پر ملا جلا تبصرہ فرمایا۔ اختصار میں اس کی روح کو برقرار رکھنا مشکل ہے۔ بہر حال انھوں نے ہر قسم، ہر شکل اور ہر تاویل کے ذریعہ سُود کو حلال بنانے کی کوششوں کی مذمت کی۔ اس موضوع پر ڈاکٹر عبدالسمیع امام پروفیسر لغۃ و دراساتِ اسلامیہ کالج، اور ڈاکٹر محمد عبدالحلیم نے بھی اپنی بحثیں سنائیں۔

۱۲۔ عقود غرر قانون میں اور فقہ اسلامی کا موقف | ۱۰ مئی کو کانفرنس کے نویں اجلاس میں ۱۰ بجے شام سے یہ موضوع شروع ہوا۔ غرر کے معنی دھوکہ یا خطرہ کے ہیں۔ باحثین نے بتایا کہ شریعت میں وہ تجارتی طریقے جن میں نقصان یا دھوکے کا خطرہ ہو ممنوع ہیں۔ لیکن غرر کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے ایک غرر فاحش ہے، یعنی خطرہ یا دھوکے کا زیادہ امکان، دوسری قسم معمولی اور کم نقصان کی شکلیں ہیں۔ ان کے جائز یا ناجائز ہونے کی تفصیلات کتب فقہ میں وضاحت اور تفصیل کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں۔ بعض حضرات انشورنس، قانونی جوئے وغیرہ کو غیر فاحش غرر کہہ کر جائز کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ ان میں غرر فاحش اور کھلا ہوا نقصان یا دھوکا ہے اور دوسری بات یہ کہ اس میں دوسری وہ قباحتیں بھی موجود ہیں جن کی حرمت پہلے سے موجود ہے جیسے سُود اور قمار۔ بہر حال یہ فقہ کا اہم باب ہے اور علامۂ وقت شیخ علی الخفیف رکن مجمع البحوث ازہر و رکن مجمع اللغۃ العربیہ قاہرہ اور ڈاکٹر عبدالسمیع امام نے اس پر بحث کی۔

۱۳۔ اسلامی شریعت میں دیت اور اس کی تطبیق | یہ تیرھواں موضوع تھا اور اس میں صرف اُستاذ فتحی بھنسی کا مقالہ تھا، لیکن وہ اپنا یہ مقالہ صبح ہی کو قصاص کے موضوع کے ساتھ تفصیل سے سنا چکے تھے، کیونکہ قصاص اور دیت کا تعلق ایک دوسرے سے بہت قریب اور متصل ہے۔

۱۴۔ فقہ اسلامی کی روشنی میں بینک کا نظام | طے یہ ہوا کہ اب شام کا وقت جو بچا ہے اس میں بحث و مباحثہ کے بجائے کل پڑھی جانے والی بحثوں کو پہلے مکمل کر لیا جائے اور پھر دوسرے دن شام کے آخری

اجلاس میں آخری بحث و مباحثہ کر لیا جائے۔ سُود کی بحث کے ساتھ شیخ ابو زہرہ اس موضوع پر بول چکے تھے۔ آج ڈاکٹر محمد احمد صقر پروفیسر معاشیات اُردن یونیورسٹی نے بحث شروع کی۔ آپ نے بھی شیخ ابو زہرہؒ کی طرح تاریخی طور پر بتایا کہ یونانی فلاسفر نے سُود کو ممنوع قرار دیا ہے۔ یہود کے ہاں بھی اصلاً سُود حرام ہے۔ مسیحیت میں اس کی کچھ تفصیل نہیں ہے۔ (راقم یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہے کہ یہودیت میں سُود صرف یہودی سے لینے کی ممانعت تھی، اور اس ممانعت سے بھی ہدیہ یا ہبہ وغیرہ کے نام سے سُود لینے کی سند یہود نے کتاب مقدس ہی سے نکال لی تھی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ رہا غیر یہود سے سُود لینا تو یہ ان کے ہاں شرعاً جائز بلکہ واجب تھا۔ گفتگو بائبل کی موجودہ شکل سے متعلق ہے، اصل اور منزل من عند اللہ کتاب سے متعلق نہیں ہے۔ مسیحیت نے سُود کی تفصیل بیان نہیں کی لیکن مال والے کا داخلہ ہی جب خدا کی بادشاہت میں منع کر دیا گیا تو پھر وہ سُود کی اجازت کیسے دے سکتا ہے، بلکہ واپس ملنے کی امید پر قرض دینا بھی مسیحیت میں کوئی مرغوب فعل نہیں ہے (لوقا ۶: ۳۴)، تو پھر سُود پر واپس لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اسلام چونکہ وسط ہے اس لیے اس نے رأس المال واپس لینے کو غیر مرغوب قرار نہیں دیا، نہ حلال طریقے پر مال کمانے والے کو ملکوتِ الٰہی سے خارج کیا، بلکہ تعاون و ہمدردی اور غریبوں کو مال عطا کرنے کی تلقین بھی کی اور ساتھ ہی ساتھ سُود کی شکل میں قرض واپس لینے کو بھی ممنوع قرار دیا)۔ ڈاکٹر صقر نے فرمایا: جدید تہذیب میں سُود کو بڑی تقویت ملی اور ہر کام میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی اور سُودی کاروبار بنکوں میں جاری کیا گیا۔ مغربی بنک کاری کے دیوتاؤں کو اس بات کی شکایت ہے کہ اسلامی ملکوں میں بنک کی صحیح فکر اور سمجھ لوگوں میں پیدا نہیں ہو پاتی۔ مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب تک بنکوں میں سُود یعنی حرام مال کا شائبہ رہے گا، اسلامی ملکوں میں بنک کو صحیح فروغ حاصل نہیں ہوگا۔ ہم کیوں نہ بنکوں کو سُود کے شائبہ سے پاک کر کے اس کی بنیاد خالص اسلامی اصولوں پر رکھیں؟ پھر انھوں نے اس نظام کی تفصیل بیان کی اور فرمایا کہ ہم ایک درہم بھی اُس طرح لینے پر تیار نہیں جس طرح خدا نے اس کو حرام کیا ہو۔

پھر لیبین بنک کے مدیر قسم البحوث، استاد نوری بریون نے بھی بنک کاری کی تفصیلی تاریخ بیان کی اور آیاتِ قرآنی (ملاحظہ: ۱۱۸-۱۱۹) سے اسلامی اقتصاد کے قوانین مرتب کیے اور فرمایا کہ کھانا، پہننا اور رہنا اصل اقتصادی ضروریات ہیں جو انسان کے لیے خدا کی طرف سے مہیا ہیں۔ اور باقی کا تذکرہ اس لیے

نہیں کیا گیا کہ گو وہ ہوا کی طرح انتہائی ضروری ہے لیکن بظاہر اقتصادی ضروریات میں داخل نہیں۔ راقم اس سلسلے میں یہ گذارش کرنا چاہتا ہے کہ پہلے تو اس آیت سے اقتصاد اسلامی کے اصول تلاش کرنا ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جنت سے متعلق ہے اور دنیا میں اُترنے کی صورت میں آگے چل کر ہدایتِ ربانی اور ذکر الٰہی پر چلنے کی تلقین ہے، لیکن بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ انسان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اسلامی حکومت پر واجب ہے۔ دوسری بات یہ کہ آیت میں پانی کا تذکرہ موجود ہے۔ اور اسلامی اقتصاد میں پانی اور ہوا میں بڑا فرق ہے۔ ہوا بظاہر غیر مرئی ہے اور پانی مرئی۔ اور اس لیے بارش کے قدرتی پانی اور کنوئیں سے سینچ کر کی ہوئی کھیتی کی زکوٰۃ میں بھی فرق ہے۔ جبکہ ہوا کے سلسلہ میں اس قسم کی تفریق نہیں۔ اصل آیت شریفہ ملاحظہ ہو: (فَقُلْنَا يَآ دَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى، إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى، وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى)۔ پھر بریونی صاحب نے تفصیل سے مارکسی نظریہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ابن خلدون کا نظریہ زیادہ صاف اور واضح ہے، اور اسی وجہ سے وہ مارکس کی طرح پیچیدگی اور معصیت میں گرفتار نہیں ہوا۔ یہ بات بریونی صاحب نے سو فیصد صحیح کہی۔ وسائلِ معیشت کے باب میں ابن خلدون کی تقسیم یوں ہے: زمین۔ کام۔ رأس المال۔ تنظیم۔ اس بنا پر زمین اصل ہے، کام پر اُجرت ہے، رأس المال سے فائدہ ہے، اور تنظیم سے نفع ہے۔ لیکن مارکسی اصول یہ ہے کہ کام پوری آمدنی کا اکیلا حقدار ہے جو سراسر غلط ہے۔

آخر میں آپ نے مطالبہ کیا کہ بینک کے نظام کو سود کے شائبہ سے پاک ہونا چاہیے اور اسلامی اقتصاد کے تعاونی و تجارتی اصولوں کی روشنی میں اس کام کو ہونا چاہیے۔

۱۰- زکوٰۃ اور دوسرے ٹیکسوں سے اس کا تعلق | ۱ا مئی کی صبح کو دسواں اجلاس شروع ہوا۔ آج کا موضوع زکوٰۃ سے متعلق تھا۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ زکوٰۃ اسلام میں فرض اور اس کا ایک اہم رکن ہے۔ اقتصادی و اجتماعی فوائد کے علاوہ یہ ایک عبادت بھی ہے۔ اسلامی حکومت میں زکوٰۃ مالداروں پر واجب ہوتی ہے جو صاحبِ نصاب ہوں اور ضرورت پڑنے پر دوسرے ٹیکس بھی لگائے جا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ضروری ہوں اور ظالمانہ نہ ہوں۔ نیز زکوٰۃ کے مصارف کو قرآن نے مخصوص افراد کے لیے اور مخصوص عنوانوں میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ حکومت کی دوسری ضروریات اور انسانوں کی اپنی خواہشات، جیسے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر، بجلی اور پانی کی سپلائی وغیرہ کے لیے اگر دوسرے ٹیکس لگائے جائیں تو ان کا فائدہ انسان

خود ہی اٹھائیں گے۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ کیسے معاف ہو سکتی ہے جو محتاجوں اور پریشان حالوں وغیرہ کا حق ہے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلامی حکومت فقیروں اور ناداروں کے نام سے جو ٹیکس لگائے اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ پہلے زکوٰۃ کی تنظیم کی جائے، اور اگر زکوٰۃ کی کامل ادائیگی اور تقسیم کے بعد ان کے مسائل پوری طرح حل نہ ہوں تو یہ اقدام کرے۔ حالانکہ یہ بات مفروضہ سے زیادہ نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی صحیح تحصیل و تقسیم کے بعد ان کا تشفی بخش حل ہو سکتا ہے۔ پھر زکوٰۃ خدا کا حق ہے جو غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ اسلامی نظریہ کی رُو سے سارا مال خدا کا ہے نہ کہ افراد کا اور نہ حکومتوں کا۔ غریبوں کا جو مقرر کردہ حق ہے وہ کوئی احسان نہیں ہے بلکہ فرض اور واجب ہے۔ زکوٰۃ جمع شدہ مال پر سال میں ایک بار ادا کی جاتی ہے۔ ٹیکس آمدنی پر ہوتا ہے، زکوٰۃ اس کی وجہ سے کیونکر معاف ہو سکتی ہے؟ اگر ٹیکسوں کی بہتات کی وجہ سے مال جمع ہی نہ ہو سکے تو زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر پھر بھی خرچ کے بعد جمع ہوا ہے تو اس جمع شدہ خزانے میں سے غریبوں کا حق نکالنے میں آخر پس و پیش کیسا اور کیوں ہے؟ حکومت کا طے کردہ ٹیکس ادا نہ کرنے کی جرأت نہ کرنے والوں کی یہ جرأت عجیب و غریب ہے کہ صرف مسکین و غریب کے حق کو ادا نہ کیا جائے۔ پھر زکوٰۃ کی جدید تنظیم میں کارخانوں، تجارت کے سامان اور کرایہ کے مکانات وغیرہ سب شامل کر لیے جائیں تو زکوٰۃ کی رقم بہت بڑھ سکتی ہے۔ کرایہ کے مکانات کے سلسلہ میں تین رائیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان پر زکوٰۃ نہ ہو۔ لیکن اب اس میں یہ اشکال ہے کہ جب تجارت کے مال پر زکوٰۃ ہے تو ان پر کیوں نہ ہو؟ پہلے زمانہ میں مکانات رہنے کے لیے بنائے جاتے تھے اس وقت یہ بات درست تھی۔ اب ان کی تجارتی غرض ہے۔ دوسری یہ کہ زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے؟ یا تو رأس المال پر سے تجارت کے مال کی طرح ڈھائی فیصد، لیکن اس صورت میں مالک مکان کا بہت نقصان ہے، کیونکہ مکان خالی بھی رہتا ہے اور پھر شاید سال بھر کا کرایہ اور زکوٰۃ کی رقم برابر سرابر ہی ہو جائے۔ تیسری شکل جو ازہر کی مجمع البحوث نے پاس کی ہے وہ یہ ہے کہ مکان کی آمدنی میں سے ٹیکس اور رمرمت وغیرہ کی رقم نکال کر زمین کے غلہ پر قیاس کر کے دسواں حصہ نکالا جائے۔ لیکن اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ کم از کم اسلامی ملکوں میں مکان کے دوسرے ٹیکس قطعاً ختم ہونے چاہییں۔ بعض ملکوں میں مکانوں پر دس سے لے کر بیس فیصد تک ٹیکس لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ٹیکس کے بجائے زکوٰۃ کے نام سے رقم لینا آسان ہے لیکن غیر اسلامی ملکوں میں مجموعی آمدنی میں سے جمع شدہ رقم کا ڈھائی فیصد ہی نکالا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس موضوع پر تفصیلی طور پر سوچنا ضروری ہے۔ اسلامی

ذہن بنا کر لوگوں کے ذریعہ سے خود ہی زکوٰۃ کی تقسیم، اور ادا نہ کرنے کی صورت میں حکومت کی طرف سے نگرانی یا وصولی، یا بعض چیزوں کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے اور بعض کی لوگ ادا کریں (جیسا کہ لیبیا کے جدید اسلامی قانون زکوٰۃ میں کیا گیا ہے جس کی تفصیل دوسرے موقع پر بیان کروں گا)، الغرض متذکرہ بالا تمام ہی صورتوں میں زکوٰۃ کی اس اہم اسلامی مد کے قیام اور اہتمام سے بے شمار اقتصادی فائدے ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر محمد عبدالحلیم عشری اسسٹنٹ پروفیسر لغۃ و دراسہ اسلامیہ کالج ۔ اور ڈاکٹر عبدالرزاق فرج حسن نے تفصیلی گفتگو کی جو حسب وعدہ بعد کو پیش کی جائے گی۔

گیارھواں اجلاس ۱۱ مئی کی شام کا اجلاس تفصیلی طور پر بحث و مباحثہ کے لیے وقف تھا۔ اس مختصر روداد میں اس سب کی تفصیل پیش کرنی مشکل ہے۔ یہ عملی طور پر گویا کانفرنس کا آخری اجلاس تھا۔ ۱۲ مئی کے اختتامی اجلاس میں قرار دادیں پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

چند باتیں اختتامی جلسہ کی تفصیل لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہت مختصر طور پر اس کانفرنس سے متعلق چند باتیں اور متعدد واقعات درج کروں۔

احوال شخصیہ (پرسنل لا) اسلام کے عائلی قوانین کے سلسلے میں کانفرنس میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی کیونکہ لیبیا، مصر، شام، حتیٰ کہ سیکولر بلکہ بڑی حد تک مسیحی عربی ملک لبنان تک میں یہ مکمل طور پر باقی و جاری ہے، اور نکاح و طلاق و میراث اسلامی کو بدلنے کی ہمت باوجود کوششوں اور پروپیگنڈوں کے اسلامی ملکوں میں ترکی کے سوا، کسی کو نہیں ہوئی۔ مصر میں اس سلسلہ کی طویل کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ تھوڑی سی تبدیلی، ترمیم یا تعدیل کی جرأت، جو عربی مسیحی ملک بھی نہ کر سکا، ایک مسلمان عربی ملک اور ایک مسلمان غیر عربی ملک کے عوام یا علماء نے نہیں بلکہ فرمانرواؤں نے کی ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس ترمیم کو منسوخ کیا جائے اور بین الاقوامی طور پر اس ضمانت کا مطالبہ سارے اسلامی ملک مل کر کریں کہ دنیا بھر میں مسلم پرسنل لا کا احترام کیا جائے اور اس میں ترمیم کی اجازت نہ کسی اسلامی ملک کو دی جائے اور نہ کسی غیر اسلامی ملک کو جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہوں، کسی مسلمان کے نزدیک اس کے عائلی شرعی قوانین میں تبدیلی سے بڑھ کر بے عزتی اور توہین کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ مذہب کے اعمال و احکام پر عمل کرنا انسان کا فطری حق، آزادی کا پہلا اصول اور عزت و شرف کا معیار و امتحان ہے۔

ابوزہرہ۔ مولانا مودودی | اس کانفرنس میں چونکہ یہ شریعت سے متعلق تھی ائمہ اربعہ کے علاوہ تمام قدیم فقہاء وعلماء کے نام بار بار آئے، لیکن زندہ علماء میں کم از کم ۵۰-۶۰ دفعہ عالمِ اسلامی کے مشہور ترین فقیہی عالم شیخ ابوزہرہ کا نام ان کی موجودگی میں لیا گیا۔ آپ کی ساری کتابیں فقہ اسلامی میں جدید مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح مولانا مودودی کا نام لے کر تقریبًا ۴ بار حوالہ دیا گیا، اور بے نام لیے تو بار بار ان کی عبارتوں اور قانونِ اسلامی سے متعلق آراء و افکار کو نقل کیا گیا، کیونکہ مولانا نے اسلامی فکر، نظامِ اسلامی اور قانونِ اسلامی کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اور پھر عام مشکلات کی نشاندہی کر کے ان کا جو حل بتایا ہے عالمِ اسلامی کے ایک بڑے گروہ نے اسے تسلیم کیا ہے۔

شیخ ابوزہرہ اور ندوہ، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا محمد عمران ندوی کا تذکرہ | استاذِ محترم شیخ ابوزہرہ والدِ محترم مدظلہٗ (مولانا محمد عمران) کے استاد بھی ہیں، اور ان سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے ہمیشہ انہی کا نام لیکر یاد کرتے ہیں۔ پہلی ملاقات کے ساتھ ہی پوچھا کہ آج عمران کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ وہ تو ندوہ ہی میں ہونگے؟ میں نے کہا، جی نہیں بھوپال میں حالات کے تقاضا کے مطابق ایک دارالعلوم کھولا ہے وہیں ہیں۔ شیخ کا حافظہ بہت پختہ ہے (اور ساتھ ہی غصہ بھی بہت شدید ہے)۔ حیرت سے کہنے لگے سید سلیمان ندوی کے ساتھ ندوہ میں ہمیشہ رہنے کا عہد و پیمان سنایا کرتے تھے (سید علیہ الرحمہ اس وقت ندوہ، دارالمصنفین اور خلافت کی وجہ سے مصر میں بہت مشہور تھے)، مجھے چونکہ اس موضوع پر کچھ زیادہ صحیح تفصیلات معلوم نہیں تھیں لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ حالات کا تقاضہ یہی تھا اس لیے میں نے کہا کہ بھوپال میں ان کی سخت ضرورت تھی۔ جہاں تک ندوہ سے اخلاص، ندوہ کی فکر پر یقین اور ندوہ کے لیے کام کا تعلق ہے وہ کہیں بھی ہوں اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اور پھر آپ نے ندوہ کے جس مکین کا نام لیا وہ اب فرشِ زمین پر نہیں ہیں بلکہ زیرِ زمین آسودۂ خواب ہے۔ اور عصرِ حاضر کے سلیمانِ اعظم کا تذکرہ آپ نے کر دیا مگر شبلی نعمانی کو بھول گئے۔ جس طرح شوقی، طٰہٰ حسین، غالب اور اقبال کے نام پر یونیورسٹیوں کے ادبی شعبوں میں ریسرچ ہوتی ہے (اور شبلی بھی ان ادیبوں میں شامل ہے) اسی طرح شبلی کی دینی تعلیم کی کوششوں پر ریسرچ کا ایک شعبہ ہر اسلامی مدرسے میں کھولا جائے اور اگر تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے سارے دینی مدارس اس تجویز کو قبول نہ کریں تو کم از کم ندوہ ہی اس پر فورًا لبیک کہے کیونکہ ندوہ کا اصولی نظریہ یہی ہے کہ وہ نہ تو متعصب ہے اور نہ شبلی کا مخالف ہی ہے۔ اور نہ شبلی کے بارِ احسان سے

وہ کسی طرح اور کسی دور میں بھی سبکدوش ہو سکتا ہے۔ ندوہ کا بانی کون تھا اور کون نہ تھا، اس فرسودہ اور فضول بحث کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ فکری و علمی کارناموں کی وجہ سے اور ندوہ کی حقیقی ارتقائی خدمت کی وجہ سے شبلی کے نام کی چیز دارالعلوم ندوہ میں کھلنی چاہیے۔ کیا یہ غیر حقیقت پسندانہ یک رخی نہیں ہے کہ دوسرے اداروں میں شبلی اسکول کے نام سے تحقیق جاری ہو، شبلی نمبر نکالے جائیں مگر شبلی کا ندوہ محاسنِ شبلی اور افکارِ شبلی کو پروان چڑھانے کے سلسلے میں کوئی تعمیری کام نہ کرے۔ بہرحال شبلی کے نام پر ریسرچ کا شعبہ دارالعلوم کے لیے ایک ناگزیر شعبہ ہے اگر وہ ماضی سے اپنے حال کو مربوط رکھنا چاہتا ہے۔ (باقی)

تفہیم القرآن کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

ادارہ اپنے تمام ایجنٹ حضرات سے درخواست کرتا ہے کہ وہ جلد سے جلد بلٹیاں چھڑانے کا اہتمام کریں۔ کیونکہ بروقت رقم وصول نہ ہونے کی وجہ سے ادارہ کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جن ایجنٹوں نے ابھی تک اپنی بلٹیاں نہیں چھڑائیں وہ براہِ مہربانی جلد چھڑا لیں۔ ادارہ ان کے تعاون کا شکر گزار ہے۔

ادارۂ

ترجمان القرآن، اچھرہ

لاہور